آئینہ آسؔ کا
صوفی عبدالقیوم بٹ آسؔ
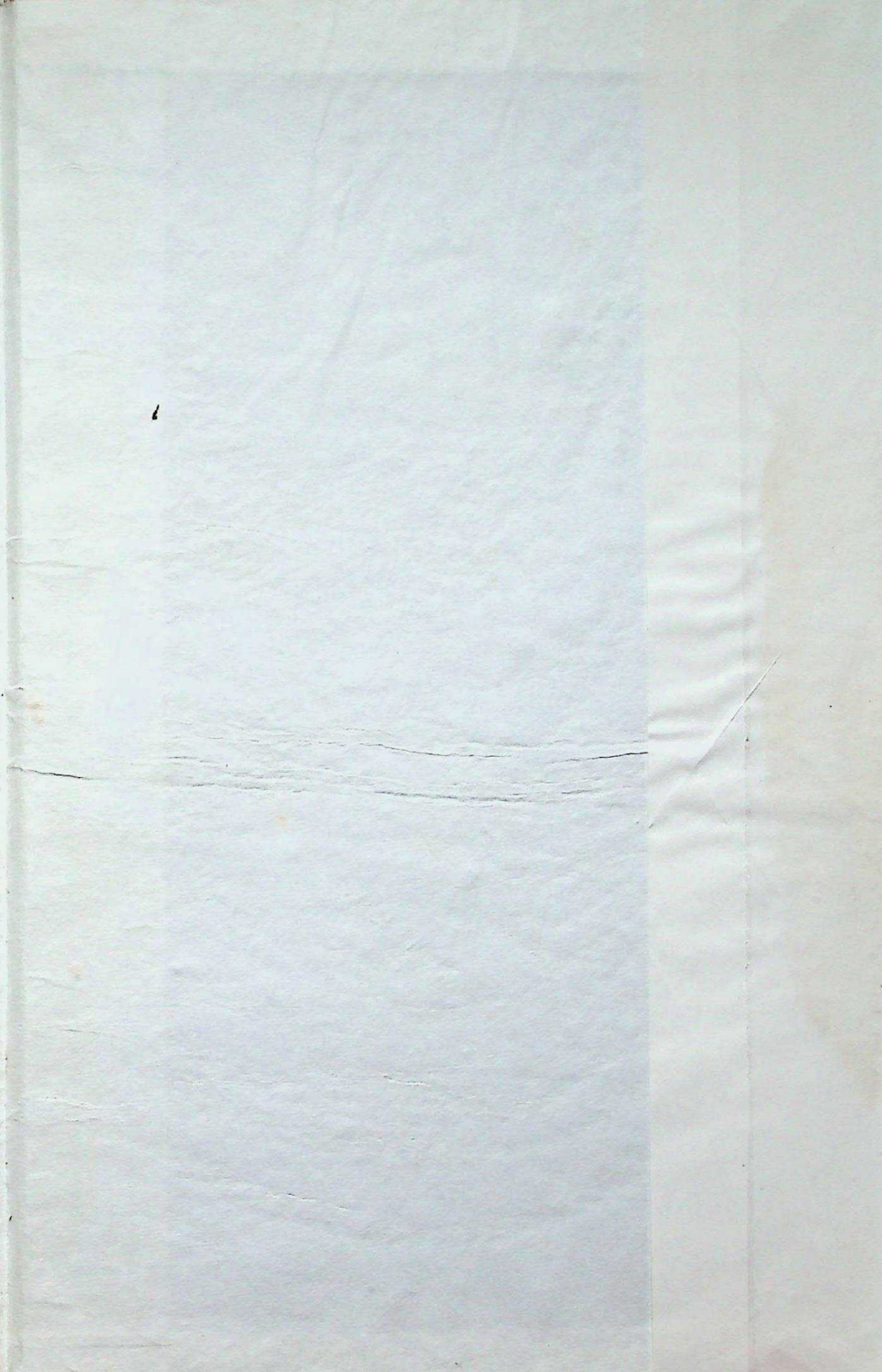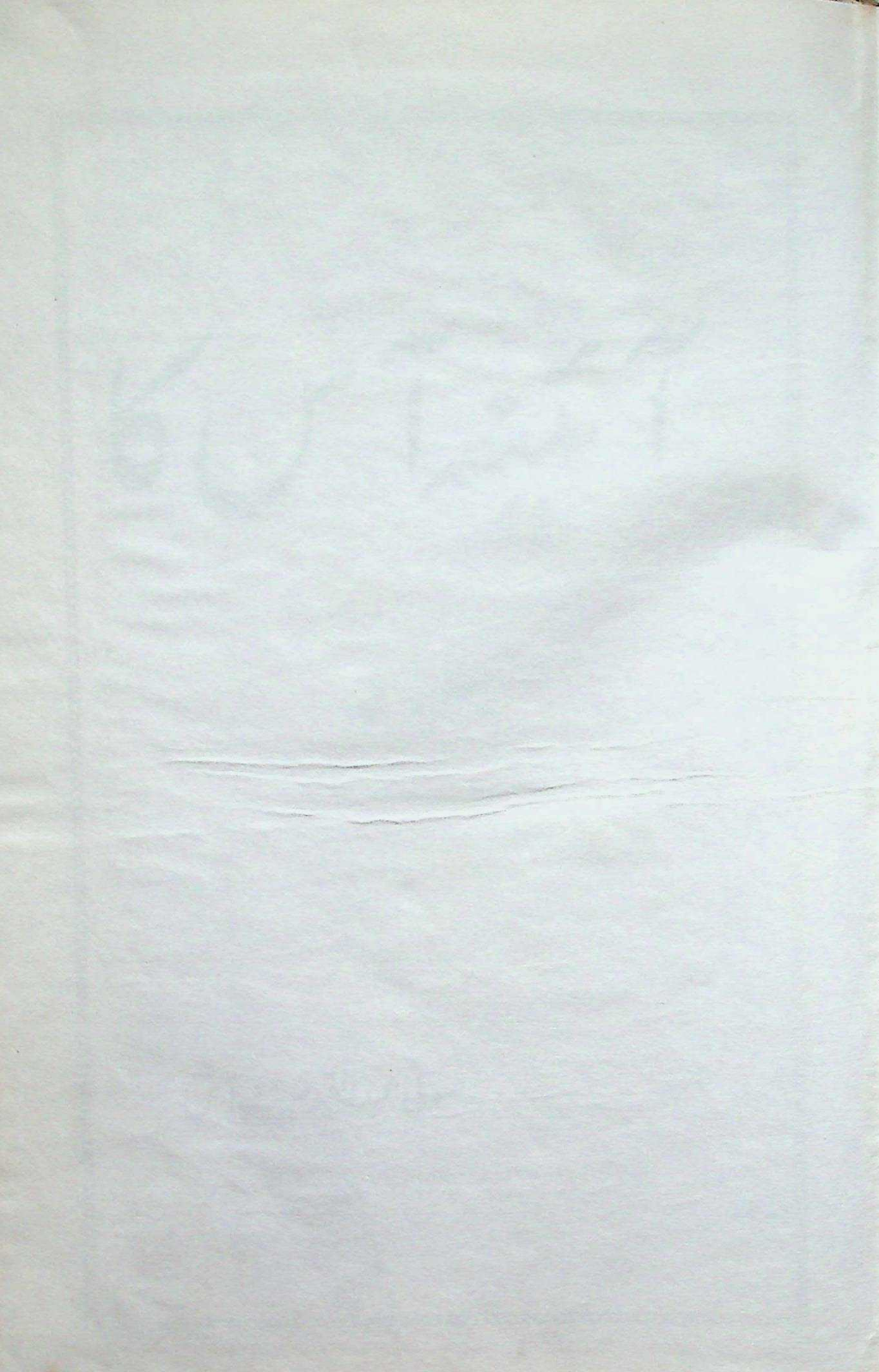
آئینہ آس کا

شعری مجموعہ

صوفی عبدالقیوم بٹ آسؔ

نام کتاب	:	آئینہ آس کا (شعری مجموعہ)
نام شاعر	:	صوفی عبدالقیوم بٹ، آسؔ بھدرواہی
ولدیت	:	صوفی غلام حسن بٹ مرحوم
سالِ اشاعت	:	جنوری ۲۰۰۴ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	ایک سو پچاس روپے
کمپوزنگ	:	سرفراز کھوکھر، رضا کمپیوٹرس گجر نگر جموّں
ناشر	:	اقبال بزمِ ادب. بھدرواہ
مطبع	:	
ملنے کا پتہ	:	☆ اقبال بزمِ ادب، بھدرواہ
		☆ ۲۰/۱ پمپوش کالونی جانی پور، جموّں

اِنتساب

☆

اپنے مرحوم والدین کے نام
جنھوں نے مجھے نازونعم سے پالا

☆

اظہارِ تشکر

☆ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے جس نے مجھے شعر فہمی اور شعر گوئی کی صلاحیتیں بخشیں اور میں اس شعری مجموعہ کو منظرِ عام پر لانے کے قابل ہوا۔

☆ میں اپنے دوست محمد الیاس ملک تنویؔر صاحب کا سراپا احسان مند ہوں جن کی صحبت میں میرے اشعار کو جلا ملی اور جن کے زرّیں مشوروں سے یہ انتخاب مرتب ہوا۔

☆ میں پروفیسر محمدؐ اقبال زرگر اور پروفیسر محمدؐ اسد اللہ وانی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے وقتاً فوقتاً اپنی مفید آرا سے نوازا۔

☆ میں سرفراز کھوکھر کا بھی سپاس گزار ہوں جنھوں نے اس شعری مجموعے کی کمپوزنگ کا کام اُحسن طریقے سے انجام دیا۔

آسؔ بھدرواہی

حرفِ چند

بھدرواہ ریاست جموں و کشمیر کا ایک چھوٹا سا قصبہ جسے کشمیر سے ملتی جلتی آب و ہوا اور فطری حسن و جمال کی مناسبت سے "چھوٹا کشمیر" کہتے ہیں اور تعلیم عام ہونے کی وجہ سے یہ ریاست کا کیرل کہلاتا ہے۔ یہ خطہ عہدِ عتیق سے ہی بڑا مردم خیز رہا ہے۔ یہاں کے عوام اگر چہ کشمیری اور بھدرواہی بولتے ہیں مگر یہ ڈوگری، پنجابی، گوجری، اردو اور ہندی سے بھی بخوبی آگاہی رکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ شعر و ادب سے کافی دل چسپی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مختلف زبانوں کے درجنوں شعرا اور ادبا اپنی اپنی بساط کے مطابق گیسوئے ادب سنوارنے میں مُنہمک ہیں اور گنجینۂ ادب میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔

اردو اور کشمیری زبانوں میں بھدرواہ کے شعرا اور ادبا نے نہ صرف قابلِ ذکر ادب تخلیق کیا ہے بلکہ تخلیق و تالیف کا یہ عمل بدستور جاری ہے۔ ان دونوں زبانوں کے مشترک شاعر عبدالقدوس رسؔا جاودانی ریاست جموں و کشمیر کے ایک بلند قامت شاعر ہوئے ہیں۔ بھدرواہ میں رسؔا کے معاصرین میں وفؔا بھدرواہی، غلام نبی گونی، کنول نین نگہت، احقر بھدرواہی، عبدالغنی فقیر، عبدالرحمٰن دیوانؔہ، جان محمد تشنؔہ اور ودیا لعل وردؔ قابلِ ذکر شعرا ہیں۔ آج کل یہاں بشؔیر بھدرواہی عبدالجبار زائیر، تنوؔیر بھدرواہی، طالب

حسین رندؔ، منظورؔ بھدرواہی، ساغرؔ صحرائی، عبدالغنی بے بسؔ، دلکشؔ بھدرواہی، ناشادؔ بھدرواہی، محمد حسین نقاشؔ، نازؔ نظامی اور سجاد ساجدؔ منزلِ شعر و سخن کی جانب رواں دواں ہیں۔ اس قافلے سے وابستہ ایک دل نواز اور دل چسپ شخصیت کا ذکر میں نے محض اس لیے نہیں کیا کہ یہ تحریر انہی کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے جو کم و بیش نصف صدی سے ادبی حلقوں میں ''آسؔ بھدرواہی'' کے قلمی نام سے اپنی شناخت قائم کر چکی ہے۔

آسؔ بھدرواہی کا پورا نام صوفی عبدالقیوم بٹ اور تخلص آسؔ ہے۔ آپ ۲۷ مارچ ۱۹۴۰ء کو بھدرواہ کے محلّہ صرافاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صوفی غلام حسن بٹ ایک دین دار، ملنسار اور پُر خلوص شخص تھے۔ آسؔ صاحب کو اُن کی واحد نرینہ اولاد ہونے کی وجہ سے بچپن میں کافی لاڈ پیار ملا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بھدرواہ ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں آپ نے گورنمنٹ ڈگری کالج بھدرواہ سے ایف. ایس. سی کا امتحان پاس کیا اور رانچی (بہار) کے ایگریکلچر کالج میں داخلہ لیا، جہاں سے انھوں نے ۱۹۶۳ء میں بی. ایس. سی ایگریکلچر کا کورس مکمل کیا اور ایگریکلچر ایکس ٹینشن آفیسر کی حیثیت سے پاڈر بلاک سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ ملازمت کے دوران آپ نے ایم. ایس. سی ایگریکلچر اِکنامکس کا امتحان پاس کیا اور اپنے محکمے میں ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے چیف ایگریکلچر آفیسر کے عہدے تک پہنچے، جہاں سے آپ مارچ ۱۹۹۸ء میں اپنی محکمانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ ۲۰۰۰ء میں آسؔ صاحب سفرِ محمود پر روانہ ہوئے اور حج کا فریضہ ادا کیا۔ آج کل آپ ادبی، سماجی اور فلاحی کاموں میں مصروف ہیں۔

آسؔ کی شاعری کا آغاز اُن کی طالب علمی کے زمانے سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن خانگی اور دفتری مصروفیات کی وجہ سے وہ اس جانب پورے انہماک کے ساتھ توجہ نہیں دے سکے۔ اسی لیے ان کا سرمایۂ سخن اگر چہ قلیل ہے مگر قابلِ توجہ ہے۔ انہوں نے حمد، نعت اور مناقب

کی جانب بھی توجہ دی ہے اور بہت عمدہ اشعار کہے ہیں جو اُن کے مزاج اور میلانِ طبع کا نتیجہ ہیں۔ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں لیکن اُن کا مزاج غزل کا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اُن کے شعری مجموعہ ''آئینہ آس کا'' میں زیادہ تر غزلیات شامل ہیں۔

آس اقبال بزمِ ادب بھدرواہ کے بنیادی اور سرگرم رکن ہیں۔ انھیں بزم کے سرپرست جناب محمد الیاس ملک تنویر بھدرواہی جیسے پختہ کلام شاعر کا ہم جلیس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ آس کی شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں اُن کا کافی حصّہ ہے۔

آس کی غزلیات کے مطالعے سے قاری پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کی زبان نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ کہیں کہیں تہہ داری اور طرح داری بھی موجود ہے، مگر تجربات اور مشاہدات کے بیان کے لیے انھوں نے الفاظ کی دروبست کا جو سادہ انداز اختیار کیا ہے اس سے خیالات میں ندرت، دلآویزی اور شگفتگی پیدا ہوگئی ہے۔ میرے اس خیال کی توثیق کے لیے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کسی کی یاد میری ہم سفر ہے — بہت آسان و دل کش رہگزر ہے
محبّت میں جدائی کا یہ عالم — تڑپتا میں اِدھر ہوں وہ اُدھر ہے

☆

رنگ عالم کے کم نہیں بدلے — ایک میرے ہی غم نہیں بدلے

☆

دل ہے اپنا تنہا تنہا — غم ہے سہتا تنہا تنہا
گھر میں تنہا باہر تنہا — سب کو دیکھا تنہا تنہا

آس کی شاعری میں روایت اور جدّت کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کے بیشتر اشعار جہاں وارداتِ قلب اور داخلی کیفیات کے ترجمان ہیں وہاں ان میں

جدّت کی دھیمی دھیمی آنچ بھی موجود ہے۔

کیا ہے میں نے دل میں قیدِ غم کو — یہ میرا حوصلہ میرا جگر ہے
ہجومِ یاس نے گھیرا تو کیا غم — ہجومِ یاس کا وہ چارہ گر ہے

☆

بزمِ عیش میں رہ کے ہم نے — وقت گزارا تنہا تنہا
شہر میں سب تھے کھوئے کھوئے — میں بھی رویا تنہا تنہا

☆

تجھے میں نے خوابوں میں دیکھا ہے اکثر — وہی بے رُخی جو سدا تھی ابھی ہے

☆

اب شبِ غم کیا رُلائے گی مجھے — آپ آئے ہیں یہ کیا کم بات ہے

آسؔ عصری آگہی کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق و محبّت کے علاوہ سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔

کرے گا کیا کسی کی رہنمائی — کہ اب جو رہنما ہے بے بصر ہے

☆

ہیں آسان باتیں نبھانا ہے مشکل — عمل کر کے اے دل دکھانا ہے مشکل
وہاں آسؔ اب چُپ ہی رہنا ہے بہتر — جہاں بات سچّی سنانا ہے مشکل

☆

یہی تو ہے طلسمِ دورِ حاضر — پریشاں بے سکوں انساں ہوا ہے

آس نے اپنے اشعار کے لیے عموماً چھوٹی زمینوں کا انتخاب کیا ہے۔ جن میں انھوں نے شستہ اور برجستہ انداز میں بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں، لیکن جہاں جہاں اُنھوں نے

بڑی زمین میں اشعار کہے ہیں وہاں بھی یہ برجستگی قائم رہی ہے اور انھوں نے منصب سُخن گوئی سے عہدہ برآ ہونے کا مکمل ثبوت دیا ہے۔

آسؔ کے کلام میں قاری کو ہلکے پھلکے انداز میں کچھ طنز و مزاح کے چھینٹے بھی نظر آتے ہیں۔

یوں تو غربا کے وہ غمخوار نظر آتے ہیں
وہ کفن چور ہیں بیٹھے ہیں جو ایوانوں میں

☆

نہ عرق ِ ندامت نہ دل شرمسار
نمازیں پڑھیں اور رشوت بھی لیں
کہ عزّت کا دامن ہوا تارتار
یہ اعمال ہی کی سزا تو نہیں

☆

قیس یا فرہاد کی کیا بات ہے
عشق کے میداں میں میرے سامنے

☆

تھرتھراتا ہوں تری دُشنام سے
بس ذرا اپنی زباں کو روک لے

عبدالقیوم آسؔ کی شاعری گو نصف صدی پر محیط ہے مگر اُن کا یہ پہلا شعری مجموعہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔ ان کی شعری تخلیقات کبھی مقتدر ادبی رسائل اور جرائد میں اہتمام اور تسلسل سے شائع نہیں ہوئی ہیں جس کی ذمہ داری اُن کی خاموش طبیعت نام و نمود اور شہرت سے احتراز اور خانگی اور دفتری مسائل پر عائد کی جاسکتی ہے۔ اس کے باوجود ان کا کلام رسالہ دیہات سدھار، انوارِ فریدیہ، کہکشاں، شہرِ آشوب، اور ''ضلع ڈوڈہ کی ادبی شناخت'' کے صفحات کی زینت بنا ہوا ہے۔ انھوں نے ''سحرِ حکمت کے موتی'' کے عنوان سے اب تک کئی کتابچے شائع کر کے لوگوں میں مفت تقسیم کیے ہیں۔ ان کتابچوں میں انھوں نے غصہ، نماز، آپسی اتفاق، علم و عمل، حقوق الوالدین، بدعت، اقامت، امام اور مقتدی وغیرہ

موضوعات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

آس ایک اچھے اور بے لوث انسان ہی نہیں بلکہ ایک سچے، مخلص، اور ہمدرد دوست بھی ہیں۔ ان کی شاعری انسانیت کی انہی اعلیٰ اقدار کی حامل ہے۔

میں اپنی بات سمیٹنے سے قبل آس کی کامیاب زندگی سے متعلق اُس حقیقت کو بھی قلم بند کرنا چاہتا ہوں جس کی جانب بہت کم لوگ توجہ دیتے ہیں۔ میرا اشارہ اُن کی خانگی زندگی کی طرف ہے۔ آس صاحب نے ۱۹۶۴ء میں محترمہ پکھراج بانو سے شادی کی اور ان کے ماشاءاللہ تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ان کی اہلیہ نے اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ سکول میں معلّمہ کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ فروری ۲۰۰۳ء میں وہ سرکاری ملازمت سے ریٹائیر ہوگئیں ہیں۔ میں نے اُن کا یہاں ذکر کرنا اس لیے مناسب سمجھا کہ آس کے شعری مجموعہ "آئینہ آس کا" کے پسِ پُشت اُن کی اہلیہ کی شخصیّت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ آس صاحب کی یہ شعری کاوش اُردو کے گنجینے میں ایک اہم اضافے کا باعث ہوگی۔ میں اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ اسے قبولیتِ عام اور شہرتِ دوام بخشے (آمین)

پروفیسر (ڈاکٹر) محمّد اسداللہ وانی
شعبۂ اُردو محکمہ اعلیٰ تعلیم
ریاست جموّں وکشمیر

گاندھی نگر جموّں
۳۰ نومبر ۲۰۰۳ء

بِسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم

دُعا

اے خُدا ہے قاضی الحاجات تو
جانتا ہے سب کے دِل کی بات تو

ہم ہیں عاصی اور تو غفار ہے
اور ہم پُر عیب تو ستار ہے

تو ہی ہم کو سیدھے رستے پر چلا
ہر بدی سے ہر بُرائی سے بچا

تو غنی ہے ہم فقیرِ بے نوا
کون دینے والا ہے تیرے سوا

قیدِ غم سے اب ہمیں آزاد کر
ٹھوکریں کھائیں نہ یارب دربدر

ہم پہ فرما اپنی رحمت کا نزول
ٹوٹی پھوٹی یہ دُعائیں کر قبول

یہ کہیں گے آس محشر میں غریب
ہو محمدؐ کی شفاعت بھی نصیب

ستمبر ۱۹۹۷ء

دُعا

ہو نہیں سکتا کوئی بندہ ترا طاعت گزار
تو ہدایت ہی نہ دے جس کو مِرے پروردگار

ہم کہ ہیں غفلت شعارِ و گنہگار و شرمسار
تو گناہوں کو ہمارے بخش دے آمُرزگار

ظلمتوں میں ہم گھرے ہیں نُور کر دے آشکار
دامنِ باطل کو یارب تو ہی کر دے تار تار

فتح و نصرت کر عطا تو ہی ہمیں اے کردگار
کب تلک یُونہی رہیں ہم پائمال و سوگوار

تیری رحمت کا سہارا تو کہ ہے با اختیار
زیست جو کُچھ بھی رہی ہے اس کو اب تو ہی سنوار

اے خُدا! تری رضا ہی کے ہوں ہم آئینہ دار
مطمئن ہوں دِل ہمارے، وقت بھی ہو سازگار

آسؔ تنہا اور دِل میں وسوسے ہیں بے شمار
حق کی منزل سے اُسے اب تُو ہی کر دے ہمکنار

☆ جون ۱۹۹۶ء

نعت

محمدؐ نام پیارا ہے
اُسی کا بس سہارا ہے

مِلا اُس کو کِنارا ہے
تجھے جس نے پُکارا ہے

سِوائے اُن کے محشر میں
نہیں کوئی ہمارا ہے

نہ پہچانا اگر اُن کو
خسارا ہی خسارا ہے

دِل و جان ہو کہ مال و زر
مِرا سب کُچھ تمہارا ہے

نظر کے سامنے ہر دم
وہ گُنبد سبز پیارا ہے

کہوں کیا نعت لکھنے کو
کیا کِس نے اشارا ہے

اُنہیں معلوم ہے یہ آسؔ
ترا دِل غم کا مارا ہے

☆مارچ ۱۹۹۹ء

نعت

محمدؐ کے در پہ میں کیا جا رہا ہوں
کہ دردِ جگر کی دوا پا رہا ہوں

قدم بڑھ رہے ہیں مدینے کی جانب
خوشی سے میں گویا اُڑا جا رہا ہوں

نظر میں سمایا ہے وہ سبز گنبد
دلِ بے سکوں کو میں بہلا رہا ہوں

اُدھر جوشِ اُلفت سے دِل جھومتا ہے
اِدھر شرم سے میں مِٹا جا رہا ہوں

گھٹا چھا رہی ہے ندامت کی ایسی
کہ میں آج خود سے بھی شرما رہا ہوں

لڑکپن کی لغزش، جوانی کے فتنے
میں بارِالم سے دبا جا رہا ہوں

گُناہوں کو یا رب مِرے بخش دے تو
بُرا ہوں کہ اچھا میں تیرا رہا ہوں

ترِی شوخیاں آسؔ کیا ہو گئیں اب؟
تجھے آج لب بستہ سا پا رہا ہوں

☆ فروری ۲۰۰۰ء

مدینہ شریف

مدینہ کی عظمت ہی حضرتؐ سے ہے
یہ تحفہ مِلا اس کو قدرت سے ہے

میرے دِل کی دُنیا میں، ہلچل ہوئی
نظر میری روضے پہ جوں ہی پڑی

مدینہ کے ہیں خوب بازار گلیاں
مدینہ میں ہر دِل کی کِھلتی ہیں کلیاں

محبّت، عقیدت کا سب دَم ہیں بھرتے
درود و سلام اُن کو ہیں پیش کرتے

سلیقہ شعاری، ادب، احترام
کہ جالی کو چھونا بھی ہے یاں حرام

عمرؓ اور ابوبکرؓ ہیں ساتھ ساتھ
محمدؐ سے دُوری ہے بس ایک ہاتھ

یہاں درس مِلتا ہے وحدانیت کا
محبت، اخوت کا، انسانیت کا

جُھکے کوئی در پر ہے کِس کی مجال
کہ ہے احترام و ادب بے مثال

خُدا کا کرے شکر کیسے یہ آسؔ
کہ حاضر ہوا یہ بھی روضے کے پاس

☆ فروری ۲۰۰۰ء

سلام

ظُلم و ستم مِٹانے کی شمشیر ہے حُسین
''انسانیت کے نام کی توقیر ہے حُسین''

دُنیا میں اہلِ حق کے یونہی امتحاں ہوئے
جس سے ہوں سرفراز وہ تحریر ہے حُسین

کیا شان ہے امامِ اُمم کی جہاں میں
دینِ محمدی کی تو تقدیر ہے حُسین

ہے فاطمہؓ کا لال، جگر مُرتضیٰؓ کا ہے
خیر الوریٰ کی ہوُ بہو تصویر ہے حسین

راہِ خُدا میں جان لُٹائی ہے بے دھڑک
بدر الدّجیٰ کے خواب کی تعبیر ہے حسین

بر پا کیا جہاں میں جس نے ہے انقلاب
اسلام زندہ رکھنے کی تقریر ہے حُسین

بھٹکے ہوؤں کو راہ نہ کیوں کر ملے گی آس
ظلمت کدے میں دہر کے تنویر ہے حُسین

مارچ ۱۹۹۹ء

غزلیات

وہ چشمِ تر ابھی مدِّ نظر ہے
جُدا ہونے کا شاید یہ اثر ہے

کِسی کی یاد میری ہم سفر ہے
بہت آسان و دِلکش رہگُزر ہے

اگر دِل ہو محبّت سے منوّر
وہی تو رُو کشِ شمس و قمر ہے

کرے گا کیا کِسی کی رہنمائی
کہ اب جو رہنما ہے بے بصر ہے

محبّت میں جدائی کا یہ عالم
تڑپتا میں اِدھر ہوں وہ اُدھر ہے

میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہوں
عجب کیا تو جو مجھ سے بے خبر ہے

کیا ہے میں نے دل میں قید غم کو
یہ میرا حوصلہ میرا جگر ہے

مجھے دیر و حرم سے واسطہ کیا
کہ ہر ذرّے میں تو ہی جلوہ گر ہے

ہجومِ یاس نے گھیرا تو کیا غم
ہجومِ یاس کا وہ چارہ گر ہے

ادائے دِلنشیں نے مار ڈالا
محبت کا یہ قصہ مختصر ہے

گرفتارِ الم تو ہی نہیں آسؔ
گرفتارِ الم ہر اِک بشر ہے

☆ نومبر ۱۹۸۲ء

غافل نہ اِس جہاں میں کر اِتنا غرور تو
جائے گا چھوڑ کر یہیں سب کچھ ضرور تو

بس ایک تجلّی سے ہوا چوُر چوُر تو
اللہ کی عظمت جانے ہے اے کوہِ طوُر تو

کر کھوج اور عقل وخرد سے بھی کام لے
ارض و سما میں دیکھ لے اللہ کا نور تو

حاصل تجھے ہو جائے گی اللہ کی معرفت
پہلے بُتِ غرور کو کر چور چور تو

دُنیائے بے ثبات میں بھی پا سکے گا آس
اللہ کا نام لینے سے دِل کا سرور تو

☆ ستمبر ۲۰۰۱ء

لیے ہاتھوں میں وہ تلوار نظر آتے ہیں
دُشمنِ جاں مِرے غم خوار نظر آتے ہیں

نوجواں اب ہمیں بے کار نظر آتے ہیں
اور ہر ایک سے بے زار نظر آتے ہیں

اب تعصّب کے اندھیروں میں بھٹکتے انساں
ظلم کرتے سرِ بازار نظر آتے ہیں

وہ کفن چور ہیں بیٹھے ہیں جو ایوانوں میں
یوں تو غربا کے وہ غمخوار نظر آتے ہیں

دُور نظروں سے ہوا کون کہ ویراں ویراں
آج بام و در و دیوار نظر آتے ہیں

تھام لیتے ہیں جو دامانِ رسولِ اکرمؐ
جاں لٹانے کو بھی تیّار نظر آتے ہیں

حُسنِ اخلاق ذرا آپؐ کا دیکھو یارو
دُشمنوں پہ بھی وہ گلبار نظر آتے ہیں

☆ جنوری ۲۰۰۳ء

رنگ عالم کے کم نہیں بدلے
ایک میرے ہی غم نہیں بدلے

ہم پہ کیا کیا جفائیں تو نے کیں
ہم تو تیری قسم نہیں بدلے

اب کرے کس سے عرضِ حال کوئی
ہمنوا بھی تو کم نہیں بدلے

روک لیتا میں اپنی نظروں کو
تیری زُلفوں کے خم نہیں بدلے

بعد از مرگ بھی ہو یاد ہمیں
قبر میں بھی تو ہم نہیں بدلے

وہ سِتم اب بھی توڑتے ہیں آسؔ
ہیں وفا کیش ہم، نہیں بدلے

☆ ۱۹۶۸ء

مَے معرفت جب سے حاصل ہوئی ہے
مِرے دِل کی حالت بدلنے لگی ہے

تجھے دارِ فانی میں چاہا ہے میں نے
ترے ہی لِیے زندگی وقف کی ہے

تجھے میں نے خوابوں میں دیکھا ہے اکثر
وہی بے رُخی جو سدا تھی ابھی ہے

یہ بارِ جُدائی جو کم ہو رہا ہے
خبر اُن کے آنے کی شاید اُڑی ہے

سیاہی شبِ غم کی مِٹنے لگی آس
ریاضت میں دیکھی عجب روشنی ہے

☆ ستمبر ۲۰۰۰ء

نہیں نادان یہ انسان تو کیا ہے
جہاں کی لذّتوں میں کھو گیا ہے

یہی تو ہے طِلسمِ دورِ حاضر
پریشاں، بے سکوں انساں ہوا ہے

جفا کار و وفا نا آشنا ہے
سکوں جس کے لیے میرا لُٹا ہے

کوئی غم جاگزیں ہے میرے دِل میں
وہی اس زندگی کا آسرا ہے

بچاتے کیوں ہیں نفرت سے وہ دامن
بجُز اُلفت ہمارے پاس کیا ہے

بھنور میں آ گئی کشتی ہماری
یہ قسمت ہے کہ جورِ ناخُدا ہے

کہو طوفاں سے، تھاما آسؔ نے بھی
یہ دامانِ محمدؐ مُصطفٰے ہے

☆ جولائی ۱۹۹۶ء

یہ کیا ماجرا ہے اے پرورِدگار
گُنہ کر کے بھی ہم ہیں پرہیزگار

گیا دور اسلام کا وہ کہاں
مُسلمان ہوتے تھے کیا پُر وقار

یہ اعمال ہی کی سزا تو نہیں
کہ عزّت کا دامن ہوا تار تار

نمازیں پڑھیں اور رشوت بھی لیں
نہ عرقِ ندامت، نہ دِل شرمسار

ہیں ظاہر میں کُچھ اور باطن میں کُچھ
نظر آئیں شبنم مگر ہیں شرار

عبادت، ریاضت، سخاوت، کرم
سبھی ہیں دِکھاوے کے آئینہ دار

بہت ہنس رہے تھے مگر دفعتہً
ہوئے آج کیا دیکھ کر اشکبار

☆ جولائی ۱۹۹۲ء

ہم اسیرِ غمِ محبت تھے
کر کے بد نام رکھ دیا کس نے

مے پرستی نہیں ہے اپنا شعار
سامنے جام رکھ دیا کس نے

ہر طرف کس کی ہے یہ جلوہ گری
حُسن یوں عام رکھ دیا کس نے

کر کے روشن چراغ یادوں کا
پھر سرِ شام رکھ دیا کس نے

کیا ہوئیں آس وہ میری خوشیاں
"غم ہمارے نام رکھ... دیا... کس" نے

☆ اگست ۱۹۶۸ء

بے قراری سی ہمیں دِن رات ہے
اے محبّت! یہ تری سوغات ہے

عشق کے میداں میں میرے سامنے
قیس یا فرہاد کی کیا بات ہے

غم گساروں سے کوئی شِکوہ نہیں
دُشمنِ جاں گردشِ حالات ہے

غم کا اِک طوفاں ہے دِل میں موجزن
اشک آنکھوں میں نہیں برسات ہے

اب شبِ غم کیا رُلائے گی مجھے
آپ آئے ہیں یہ کیا کم بات ہے

شہرِ دل میں اب ہوا کِس کا وَرود
آس بھی خوش دم ہے، خوش اوقات ہے

☆ اگست ۱۹۸۱ء

ستم ہے اُن کو سرِ بزم ہم بُلا نہ سکے
نظر مِلا نہ سکے اور مُسکرا نہ سکے

گئے تھے اُن کو سُنانے جو دِل کا افسانہ
رقیب پاس ہی بیٹھا تھا ہم سُنا نہ سکے

دُعا یہ تشنہ لبوں کی ہے خیر ہو ساقی
غریب جان کے ہم کو جو مَے پلا نہ سکے

شبِ فراق تو آنکھوں میں کاٹ لی ہم نے
شبِ وصال جو آئی تو لب ہلا نہ سکے

بھلا کے ہم نے زمانے کو آسؔ کیا پایا
سِتم تو یہ ہے، ستم گر کو ہم بھلا نہ سکے

☆ ستمبر ۱۹۶۰ء

اُن آنکھوں میں کاجل دیکھا
ہم نے دِل متزلزل دیکھا

ارض و سما کے مالک تجھ کو
ہم نے آنکھ سے اوجھل دیکھا

خوفِ خُدا ہی جن کو نہیں ہے
اُن کو حرم میں ہر پَل دیکھا

نیکی کر کے دریا میں ڈال
اچھا پھر اس کا پھل دیکھا

رُسوائی کا خوف و خطر کیا
عشق میں دِل کو پاگل دیکھا

شور شرابا ، خون خرابا
کوچہ کوچہ مقتل دیکھا

جور و جفا ہی اُن کا شیوہ
ہم نے ہمیشہ ، ہر پَل دیکھا

ظلم کی آگ میں جلتے اکثر
مہر و وفا کا آنچل دیکھا

آہ و فُغاں تو لب پہ نہیں تھی
آسؔ کو لیکن بے کل دیکھا

☆ اکتوبر ۱۹۹۹ء

ہر اِک شے میں جلوہ ترا چار سو ہے
''جدھر دیکھتا ہوں، اُدھر تو ہی تو ہے''

یہ مانا مِرا دوست بھی خوب رُو ہے
مگر کیا کہوں، شوخ ہے، تُند خو ہے

ترے نور سے ماہ و اَنجم ہیں روشن
ہر اِک غُنچہ و گُل میں تیری ہی بُو ہے

میرا شہر میں دم گُھٹا جا رہا ہے
بیاباں میں کُچھ تو سکوں چار سو ہے

یہ مصروفیت کا زمانہ ہے، چُپ رہ
کسی کو کہاں فُرصتِ گفتگو ہے

میرے رُخ پہ جذبات کے رنگ پھوٹے
یہ کس گلبدن کی مہک چار سو ہے

حَرم میں یہ فتنہ گری آس ہے کیوں
اِمامت ہی شاید ہوئی بے وضو ہے

☆ اکتوبر۱۹۹۹ء

''دُنیا میں اگر عشق کے مارے نہ رہیں گے''
پھر شوخ حسینوں کے سہارے نہ رہیں گے

تازہ ہی اگر زخمِ جگر کرتے رہو گے
ایسے تو کبھی ہم بھی تمہارے نہ رہیں گے

کیوں کھو گیا دُنیا ہی کی رنگینی میں اے دِل
تا حشر تو ایسے یہ نظارے نہ رہیں گے

وہ پہلا ہی اِک صور جو پھونکے گا فرشتہ
یہ اُونچے محل، اُونچے مِنارے نہ رہیں گے

کُچھ خُلق و مُروّت سے بھی تم کام یہاں لو
شیطان سے رہو دُور! خسارے نہ رہیں گے

دُنیا کے زر و مال پہ اِتراتے ہو کیوں کر
یہ شمس و قمر اور ستارے نہ رہیں گے

کیوں ہو گی کوئی فکر ہمیں روزِ حساب آسؔ
دُور اپنے سے رحمت کے کنارے نہ رہیں گے

☆ اپریل ۱۹۹۹ء

دِل ہے اپنا تنہا تنہا
غم ہے سہتا تنہا تنہا

گھر میں تنہا باہر تنہا
سب کو دیکھا تنہا تنہا

تنہائی میں گاتا ہوں میں
گیت وفا کا تنہا تنہا

شہر میں سب تھے کھوئے کھوئے
میں بھی رویا تنہا تنہا

میں نے ہمیشہ اُس کو چاہا
جس نے چھوڑا تنہا تنہا

بزمِ عیش میں رہ کے ہم نے
وقت گزارا تنہا تنہا

کاش اب گزریں ہجر کی راتیں
دِل ہے تڑپتا تنہا تنہا

رونقِ دُنیا سے کیا رشتہ
آسؔ ہے بیٹھا تنہا تنہا

☆ ستمبر ۲۰۰۱ء

گو محبت میں جفا نا مہرباں کرتے رہے
احترامِ غم میں ہم ضبطِ فُغاں کرتے رہے

اس جہاں کی زندگی، کہتے تھے جو، کُچھ بھی نہیں
کوٹھیاں تعمیر وہ تا آسماں کرتے رہے

نفرتوں کی آگ بھڑکاتے رہے شیطاں صفت
آدمی کو آدمی سے بدگماں کرتے رہے

حق کی خاطر مرمٹے جو، قابلِ صد رشک ہیں
نام اپنا دو جہاں میں جاوداں کرتے رہے

کھلتے کھلتے رہ گیا پھر غنچۂ دِل آسؔ کا
بے سبب شعلہ فشانی باغباں کرتے رہے

☆ جولائی ۱۹۹۹ء

اب آ کہ ستاتی ہے رہ رہ کے یہ تنہائی
اس دِل میں نہیں باقی وہ تابِ شکیبائی

تیکھی ہو کہ بانکی ہو جاں بخش کہ جاں لیوا
ہر ایک ادا تیری دِل کو ہے پسند آئی

پھر دِل میں مرے گویا طوفان کی آمد ہے
پھر جلوہ نمائی کی اُس نے ہے قسم کھائی

بیمارِ محبّت کی دنیا بھی نرالی ہے
غم ضبط کیا جتنا اُتنی ہی شفا پائی

اے میرے خدا مجھ کو محرومِ تمنّا کر
یا مجھ کو عطا کر دے تو حکمت و دانائی

تیرے ہی کرم سے ہے اکسیر یہ مٹّی بھی
بے فیض وگرنہ ہے ہر شوکتِ دارائی

اے آسؔ ادا اُن کی مَسحور کرے ہے کیوں ؟
یہ حُسنِ محبّت ہے یا کوئی فسوں زائی؟

☆ نومبر ۱۹۸۱ء

تجھ کو پا کر تو ہم ہوئے تھے شاد
کیوں غمِ دہر کر گیا برباد

ہوش اے ہم صفیر گلشن میں
دام پھیلا گیا کوئی صیّاد

کِس نے پھر چھین لیں مِری خوشیاں
کِس سِتم گر کو آ گیا ہوں یاد

زخم دِل کے ، یہ اشک آنکھوں کے
تیری بخشش ہیں، اے سِتم ایجاد

کرّ و فر کی ہے دوڑ دُنیا میں
ہے فسادات کی یہی بُنیاد

یہ جہاں ایک قید خانہ ہے
یہاں غم سے نہیں کوئی آزاد

اب وفا آشنا نہیں کوئی
غمِ دل کی کہیں کِسے رُوداد

بحرِ غم ہی میں ڈوب کر اے آسؔ
ہر خوشی سے میں ہو گیا آزاد

☆ مارچ ۱۹۸۲ء

جی حضوری کمال کرتے ہیں
''ہجر کو بھی وصال کرتے ہیں''

راہ بر کیا یہ حال کرتے ہیں
سبھی کو پائمال کرتے ہیں

دِل میں اُٹھتی ہے ایک ہلچل سی
جب وہ ظاہر جمال کرتے ہیں

دین سے دُور ہیں جو دولت مند
سب کا جینا محال کرتے

کارِ بد کرکے لوگ شیطاں سے
بسکہ اُلٹے سوال کرتے ہیں

دوست اب شکوہ ہائے بیجا سے
آس کو بھی نڈھال کرتے ہیں

☆ ستمبر ۲۰۰۰ء

''دیکھ لی خزاں ہم نے، اب بہار دیکھیں گے''
سہہ لیے مصائب تو، اب قرار دیکھیں گے

بھائی بھائی ہیں سبھی یہ کِسے معلوم تھا
جامۂ محبت بھی، تار تار دیکھیں گے

اللہ کی رسی کو ہم، پکڑے رہیں جو زور سے
دُشمنوں کی صفوں میں، انتشار دیکھیں گے

آسمانوں سے نِدا آنے لگی ہے امن کی
غم زدہ سے چہروں پر، اب نِکھار دیکھیں گے

آؤ کہ بانٹتے چلیں ہم محبّتوں کے پھول
پھر ضرور صبح و شام مشکبار دیکھیں گے

وقت کا تقاضا ہو، تو وطن پہ آس آپ
اِسکے مردوزن کو بھی ہوتے نثار دیکھیں گے

☆ ۲۰۰۲ء

ہمیں اس میں نہ کوئی حیرت ہے
"مثلِ شبنم ہماری قسمت ہے"

صالح انساں کی جو صحبت ہے
یہ تو سب سے بڑی رفاقت ہے

ابر کی طرح آتا ہے انساں
ساتھ لے جائے بارِ حسرت ہے

شہروں شہروں میں، گاؤں گاؤں میں
قتل وغارت ہی قتل وغارت ہے

میرے دِل کی حدود میں ہر دم
ایک اللہ کی ہی عظمت ہے

جو عمل بھی خلافِ سُنّت ہو
کُچھ نہیں، صرف بدعت ہے

کبھی اسلاف سے عقیدت تھی
اب کسے شوق اور فُرصت ہے

ایک ہو جائیں ظاہر و باطن
یہی نصرت ہے نیک خصلت ہے

جس پہ سو کر خُدا نہیں بھولے
وہی بستر توجہِ راحت ہے

ابتدا اور انتہا کیا آسؔ
سارا عالم ہی جائے حیرت ہے

☆ جولائی ۲۰۰۱ء

آج تنہائی میں کِس کی یاد آئی دوستو
پھر مجھے تڑپا گئی کِس کی جُدائی دوستو

اُنکی آمد کے لیے تسبیح تو میں پڑھتا رہا
کام کُچھ آئی نہ میری پارسائی دوستو

یہ مِرا بے چین دِل پھر ہوگیا بے اختیار
آج پھر کِس شوق نے صورت دِکھائی دوستو

غم بھلانے کِس طرح جاتا بیاباں کی طرف
بے خودی اُنکی گلی میں کھینچ لائی دوستو

ہائے یہ دوری، یہ مجبوری، یہ لاچاری غضب
دردِ دِل کی داستاں کِس نے سنائی دوستو

بُھول کر بھی بے وفا نے اس طرف دیکھا نہیں
کِس طرح تھی آسؔ نے محفل سجائی دوستو

☆ ۱۹۷۸ء

اُلفت نے تیری مجھکو دیوانہ کردیا ہے
دِل کو تری ادا نے مستانہ کر دیا ہے

اِتنی خبر نہیں ہے پہنچا کہاں کہاں میں
آوارگی نے خود سے بیگانہ کردیا ہے

ہر سُو اُداسیاں ہیں یا تلخیاں ہیں یارب
کیوں میری زندگی کو ویرانہ کردیا ہے

وہ شمع بن کے آخر ظاہر ہی کیوں ہوئے تھے
معصوم دِل کو میرے پروانہ کردیا ہے

اے آسؔ کیا ملے گا اِس دِل لگی سے آخر
کیوں اپنے آپ کو یوں نذرانہ کردیا ہے

☆ ۱۹۶۲ء

ہوا حُسنِ رنگین جو عُریاں زیادہ
مچلنے لگے دِل میں ارماں زیادہ

جنوں میرے دِل کا تو کُچھ کم نہیں ہے
مگر میں ہوں خود بھی پریشاں زیادہ

عیاں غم نے زخمِ جگر کر ہی ڈالا
اِسے رکھ سکے ہم نہ پنہاں زیادہ

نہ تم مجھ کو سمجھے نہ سمجھا زمانہ
ہوا قلبِ مُضطر پریشاں زیادہ

مِرے ہی چمن پر گریں بجلیاں کیوں
فلک کیوں ہوا دشمنِ جاں زیادہ

جنھیں ہم سمجھتے رہے دین و ایماں
وہی ہو گئے دشمن جاں زیادہ

سمجھتی ہے دُنیا کہ آباد ہے آس
مگر دِل کی دُنیا ہے ویراں زیادہ

☆ ۱۹۷۶ء

حال میرا دیکھ کر ہر اِک بشر ہے بے قرار
آسماں لایا ہے لیکن کھینچ کر اپنی کٹار

کُچھ تو آجائے ہماری آرزوؤں پر نکھار
اِس طرف بھی پھیر دے جامِ نگاہِ پُر خمار

حُسن کے ناز و ادا پہ رنگ لایا ہے شباب
بڑھ گئیں رعنائیاں گُلشن پر جب چھائی بہار

آج اُنکی بے رُخی کا کِس لیے شکوہ کریں
ہم پہ تو پڑتی رہی چشمِ عنایت بار بار

شہر والے تنگ آئے نالہ و فریاد سے
اے جنوں کُچھ کام کر! آجائیں وہ بے اختیار

ہر بشراب ہوگیا دِل دادۂ رسم ورواج
آج دُنیا میں نہیں اہلِ ہوس کا کُچھ شمار

زندگانی کا سفینہ ڈوبنے کو آس ہے
ہر طرف پھیلا ہوا ہے غم کا بُحرِ بے کنار

☆ جولائی ۱۹۸۰ء

ہم لاکھ اُن سے بچنے کی تدبیر ہیں کرتے
پھر بھی ہمارے دِل کو وہ زنجیر ہیں کرتے

سچّے بھی اگر خواب سُناتا ہوں میں اُن کو
ہر خواب کی اُلٹی ہی وہ تعبیر ہیں کرتے

گو صورتِ احوال بتا سکتے نہیں ہم
بس خونِ جگر ہی سے یہ تحریر ہیں کرتے

سر جن کا چھپانے کو مُیسر نہ جگہ تھی
محلّات فلک بوس وہ تعمیر ہیں کرتے

اللہ کے بندوں کی کوئی بات نہ پوچھو
جب چاہتے ہیں، خاک کو اکسیر ہیں کرتے

جب بات تعصّب کی کہیں ہوتی ہے اے آسؔ
ہم ذکرِ رواداریِ کشمیر ہیں کرتے

☆ ۱۹۹۹ء

ہر ایک غم کو میں نے اشکوں میں ہے پِرویا
آیا نہ چین، ویسے بے نیند بھی میں سویا

اب کون دیکھتا ہے، اب کون پوچھتا ہے
یادوں میں کون کس کی رہتا ہے کھویا کھویا

اللہ تیری قدرت ہے اپنی اپنی قسمت
ہر گام پر ہنسا وہ، ہر موڑ پر میں رویا

میرے غم والم سے ہر دم رہا وہ غافل
کب دھڑکنوں میں اُس کو میں نے نہیں سمویا

اُس شخص کو ہمیشہ ملتے رہے ہیں کانٹے
جس نے بھی اس جہاں میں اُلفت کا بیج بویا

اے آسؔ رنگ لائی اب اپنی آہ و زاری
اُس نے بھی اپنا دامن اشکوں سے ہے بھگویا

☆ جنوری ۱۹۹۹ء

مرے محبوب تیری یاد نے مجھ کو رُلایا ہے
غمِ فرقت نے مجھ کو اور دیوانہ بنایا ہے

کبھی حالِ دِلِ مُضطر نہ پوچھا آج تک تو نے
نہ جلوہ ہی کبھی اپنا مجھے تو نے دِکھایا ہے

صِلہ مجھ کو محبّت کا دیا اے دوست یہ تو نے
جفائیں کر کے اُمیدوں کو مٹّی میں ملایا ہے

جو شمعِ عشق اب تک خونِ دل سے جگمگائی تھی
اسے تیری ادائے بے نیازی نے بُجھایا ہے

محبّت کے جہاں میں آسؔ تو نے کیا کیا حاصل
متاعِ دِل لُٹا کے غم کو سینے سے لگایا ہے

☆ ۱۹۶۲ء

پھر صبا سوئے چمن مستانہ وار آنے لگی
رُخصت اے دورِ خزاں اب تو بہار آنے لگی

اپنی حالت پر ہنسی بے اختیار آنے لگی
یاد جب رنگینئ شب، بار بار آنے لگی

اُف ترا یہ بانکپن اور یہ تری انگڑائیاں
ہر ادا تیری مرا بن کر قرار آنے لگی

لگ رہا ہے آج وہ زُلفیں پریشان ہو گئیں
ورنہ ہر دم یہ صبا کیوں مُشکبار آنے لگی

ساغرِ مَے ہاتھ میں لے لے کے میں نے رکھ دیا
یاد جب اُن کی وہ چشمِ پُر خُمار آنے لگی

تیرے آنے کے یہ نغمے آس ہی گا تا نہیں
اب تو ہر آواز بن کے آبشار آنے لگی

☆ اپریل ۱۹۶۶ء

وہ اپنی نرگسی آنکھوں میں کیسا جام رکھتے ہیں
چھپا کے زُلف کے سائے میں کیسی شام رکھتے ہیں

وہ زُلفوں کا جو شانوں پر بچھا کر دام رکھتے ہیں
ہوا دِل قید تو ہم اُن پہ کب الزام رکھتے ہیں

نہیں یہ غم، محبت میں ملے رنج و الم ہم کو
تڑپتے ہیں مگر اس میں بھی ہم آرام رکھتے ہیں

ستا کر جب ہوئے وہ سیر، اب کُچھ بڑبڑاتے ہیں
سمجھتا ہوں کہ اب وہ بددُعا سے کام رکھتے ہیں

گُزر ہوتا ہے میرے خانۂ ویراں سے جب اُنکا
چُراتے ہیں وہ نظریں دِل مرا ناکام رکھتے ہیں

سُنائی ہے کسی نادان نے غمگیں خبر کوئی
وگرنہ آسؔ کب ہاتھوں سے دِل کو تھام رکھتے ہیں

☆ ستمبر ۱۹۶۸ء

بے تاب کس قدر ہوں ذرا پاس آؤ تم
بہلاؤ دِل کو، مجھ کو گلے سے لگاؤ تم

مجھکو بھی طور کی وہ حقیقت دِکھاؤ تم
پیا سا ہوں جام عشق کا مجھ کو پلاؤ تم

پردہ رُخِ حسیں سے ذرا تو ہٹاؤ تم
قدرت خُدا کی دیکھ لوں، جلوہ دِکھاؤ تم

بدلی میں چاند چھپ گیا، چھپتا رہے مگر
زُلفوں میں مُنہ چھپا کے نہ نظریں چُراؤ تم

مثلِ غبار جیتا ہوں کس کو ہے یہ خبر
اے آندھیو! نہ زُور سے مجھ کو اُڑاؤ تم

پروانہ وار تم پہ کروں جان بھی نثار
برقِ جمال سے مِرے دِل کو جلاؤ تم

اب آئے ہو تو مُنہ سے کوئی بات بھی کرو
تڑپا کے یوں نہ خاک میں مجھ کو مِلاؤ تم

اے آسؔ کیوں چھڑکتے ہو زخموں پہ یہ نمک
افسانہ کوہکن کا نہ مجھ کو سناؤ تم

☆ جنوری ۱۹۷۰ء

تیرے بغیر اب مرا جینا محال ہے
ہر صُبح و شام بس مجھے تیرا خیال ہے

در در پھرا رہی ہے یہ مجھ کو تری تلاش
رنج و الم نے مجھ کو کیا پائمال ہے

تو مجھ ستم زدہ سے خفا ہو رہا ہے کیوں
فرقت میں تیری دیکھ لے کیا میرا حال ہے

شیطان ہے آج حضرتِ انساں پہ خندہ زن
پھیلا جو شیطنت کا زمانے میں جال ہے

یہ آس آج دِل مرا ناشاد کیوں نہ ہو
نظرِ کرم ہے اب نہ وہ اُنکا جمال ہے

☆ ۱۹۶۰ء

زندگی دُشوار ہے اِب تُجھکو پانے کے سوا
تجھکو کُچھ آتا نہیں مجھکو رُلانے کے سوا

تیری منزل اور ہی ہے میری منزل اور ہی
ایک ہوسکتی نہیں ہے دِل مِلانے کے سوا

روز اُن کے در پہ جاتا ہوں اُنہیں کرنے سلام
چین ہی آتا نہیں، نظریں مِلانے کے سوا

زندگی قُربان کیوں اُس سنگدل پہ ہو مری
جس کی باتوں میں نہیں کُچھ دِل جلانے کے سوا

زندگی میں غم ہی غم ہیں اور ویرانے بہت
ہم نے کیا پایا یہاں آنسو بہانے کے سوا

میکشوں کے دردِ دِل کو آسؔ کیا سمجھے گا وہ
کام کیا ساقی کا ہے پینے پلانے کے سوا

☆ اگست ۱۹۶۹ء

میں سمجھتا تھا جہانِ زندگی میں اب ہے نور
جو اُجالا تھا کہیں، ہونے لگا ہے وہ بھی دُور

وہ بھی کیا رنگین دِن تھے یاد کر اے رشکِ حُور
شیشۂ دِل اک نظر کے وار سے ہوتا تھا چور

دور رہ کر مُسکراتے ہو یہ کیسا ہے لگاؤ
پاس بھی آؤ کبھی اچھا نہیں اِتنا غرور

میں، مرا گھر، یہ در و دیوار سب ہیں مُنتظِر
آ بھی جا اے دوست اب مُجھ سے نہ رہ تو دُور دُور

آس یادِ یار میں تو آنکھ لگتی ہی نہیں
لوگ کہتے ہیں فراقِ یار کو دِل کا سُرور

☆ جنوری ۱۹۷۰ء

آہ و فغاں پہ کچھ بھی نہیں اختیار میرا
ہوتا ہے کیوں پریشاں کوئی غمگسار میرا

سونپی گئی ہیں دِل کو ویرانیاں خزاں کی
کرتی ہیں کیوں بہاریں اب انتظار میرا

فرصت ہی حُسن کو ہے کب بدگمانیوں سے
پھر اُن کو آئے اے دِل کیوں اعتبار میرا

آیا نہیں میں تنہا، میرے ساتھ ساتھ دیکھو
ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آیا ہے یار میرا

نالوں سے آسؔ میرے تنگ آگیا زمانہ
جاگا مگر نہ اب تک غفلت شِعار میرا

☆ مئی ۱۹۶۹ء

ترا میرے دِل میں تو آنا ہے مُشکل
مگر اب تجھے بھول جانا ہے مُشکل

تمنائے دِل کو دِکھانا ہے مُشکل
مگر اب اِسے بھی چھپانا ہے مُشکل

ہیں آسان باتیں، نبھانا ہے مُشکل
عمل کر کے اے دِل دِکھانا ہے مُشکل

زباں پر ہوں تالے، رہیں سر بہ خم بھی
وفا کی یہ شرطیں نبھانا ہے مُشکل

محبّت کے گُلشن کو خونِ جگر سے
یہ سیراب کرنا، سجانا ہے مُشکل

وہاں آسؔ اب چُپ ہی رہنا ہے بہتر
جہاں بات سچّی سُنانا ہے مُشکل

☆ جنوری ۱۹۷۷ء

صِلہ اُلفت کا یہ اچھا نہیں ہے
تمہیں بھی مہرباں دیکھا نہیں ہے

کبھی جو سامنے ہوتا تھا ہر دم
وہی اب سامنے ہوتا نہیں ہے

خیالِ یار کی ہے مہربانی
میرے قابو میں دِل رہتا نہیں ہے

کِسی سے تو نہ رکھ اُمیّد اے دِل
بھروسہ کُچھ بھی دُنیا کا نہیں ہے

سُنائیں گے نہ ہم آزاد نظمیں
غزل بھی وہ اگر سُنتا نہیں ہے

کہوں کیا آسؔ اُلفت کی بدولت
ترا کِس شہر میں چرچا نہیں ہے

☆ ۱۹۸۲ء

راہِ وفا میں ہر سُو غم بے حساب آیا
معصوم جاں پر یارب کیسا عذاب آیا

کیوں غش نہ ہوں کہ اُنکے جلوے بکھر رہے ہیں
ہے برق بن کے عہدِ حُسن و شباب آیا

واعظ چلا حرم سے جب میکدے کی جانب
چھپ چھپ کے عاشقی کی پڑھتا کتاب آیا

افسوس میری قسمت کم بخت خواب ٹوٹا
لے کر وہ سامنے جب جامِ شراب آیا

خوشیوں میں مست ہو کے یہ آس کیوں نہ جھومے
مُدّت کے بعد آخر خط کا جواب آیا

۱۹۶۹ء ☆

آپ آئے نہیں وقت پر دوستو
آس کو کر دیا در بدر دوستو

چل دِئے وہ اِدھر سے اُدھر دوستو
لی نہ کُچھ بھی ہماری خبر دوستو

ہو جو اُن کی گلی سے گزر دوستو
تھام لیتے ہیں اپنا جگر دوستو

دِل مِرا جھومتا، رقص کرتی خوشی
وہ اگر دیکھتے اِک نظر دوستو

کاش آتے تو ہم بھی بچھاتے یہاں
اُن کے رستے میں قلب و جگر دوستو

سوئے منزل خوشی سے رواں آس ہے
کون اُس کا ہوا ہم سفر دوستو

☆ ۱۹۷۱ء

تری آنکھوں سے گو مجھ کو عنایت ہوتی جاتی ہے
پیوں کیوں کر کہ اوروں کو شکایت ہوتی جاتی ہے

ہمیں اُن سے محبت، اُن کو نفرت ہوتی جاتی ہے
ہمارے دل پہ کیوں برپا قیامت ہوتی جاتی ہے

نہ وہ آئیں نہ ہم جائیں، نہ ہم جائیں نہ وہ آئیں
ہمیں اُن سے، اُنہیں ہم سے شکایت ہوتی جاتی ہے

کبھی تو بول بالا تھا جہاں میں آدمیّت کا
مگر پیاری اب انسانوں کو دولت ہوتی جاتی ہے

نصیحت کی سُنے گا کون باتیں اِس زمانے میں
چلے جو بات ساغرؔ کی تو عزّت ہوتی جاتی ہے

ہنرمندوں کی کب ہے قدر و قیمت اس زمانے میں
یہاں تو بے ہنر کی آس، شہرت ہوتی جاتی ہے

☆ ۱۹۷۰ء

حضرتِ ناصح بھی دیوانے نہ تھے
عشق میں پاؤں ہی اُلجھانے نہ تھے

عالمِ وارفتگی میں چل دِے
ہم نے اپنے دوست پہچانے نہ تھے

خونِ دِل ہم نے بہایا عمر بھر
اے زمانے یوں سِتم ڈھانے نہ تھے

زندگی بھر تو رہے تُم دُور دُور
قبر پر اب پُھول برسانے نہ تھے

آپ نے بھی دوستو تیرِ سِتم
اس شِکستہ دِل پہ برسانے نہ تھے

کیا سمجھتے وہ ہمارا دردِ دِل
ہم جنہیں سمجھے تھے فرزانے نہ تھے

آسؔ انساں سے کہا یہ چاند نے
کیا ترِی بستی میں ویرانے نہ تھے

☆ ۱۹۷۰ء

جانِ من ہے تو کہاں آ بھی ذرا اب میرے پاس
غیر کی آنکھوں سے پینے میں نہیں کُچھ بھی مٹھاس

ہجر کی تنہائیاں ہیں اور بیٹھا ہوں اُداس
میری صورت لگ رہی ہے آج اِک تصویرِ یاس

تیری قسموں، تیرے وعدوں سے بہلتا تھا کبھی
اب ترِی قسمیں ترے وعدے نہیں آتے ہیں راس

میں تو سو جاتا مگر زخموں کو کیسے آئے نیند
میں چمن میں ہوں مگر ہیں خار میرے آس پاس

دامِ زُلفِ یار میں اُلجھا ہوا ہے اس طرح
اب نہیں اے آسؔ اِس دِل کے رہا ہونے کی آس

☆ ۱۹۷۰ء

گو نظر سے وہ نہاں ہوتا گیا
دِل کے پردے پر عیاں ہوتا گیا

دھیرے دھیرے دِل میں وہ آتے گئے
میرا دِل اُن کا مکاں ہوتا گیا

وہ مِلے تو کیا ہوا حاصل مجھے
میرا دُشمن تو جہاں ہوتا گیا

دیکھ کر طرزِ وفا کیشی مرِی
دُشمنِ جاں مہرباں ہوتا گیا

یوں گُزر جاتے ہیں میرے روز و شب
غم ترا آرامِ جاں ہوتا گیا

میری جانب دیکھتے ہو بار بار
آج کیوں دِل مہرباں ہوتا گیا

زندگی بھی آس اب کٹتی نہیں
عشق بھی بارِ گراں ہوتا گیا

☆ اپریل ۱۹۶۹ء

اے دوست تیری یاد بُھلائیں گے، کس طرح
دِل اور جگر کے داغ مِٹائیں گے، کس طرح

وہ پھول مُسکرا نہ سکے جو بہار میں
دَورِ خزاں کی تاب ہی لائیں گے، کس طرح

افسوس آ کے بیٹھ گیا سامنے رقیب
ہم داستانِ عشق سُنائیں گے، کس طرح

مِلنا شبِ وصال گلے اُن کا بار بار
شامِ فراق اشک چھپائیں گے، کس طرح

اے آسؔ انتظار میں کھونا ہی ہے فضول
تم بھی نہ جاؤ گے تو وہ آئیں گے، کس طرح

☆ ۱۹۶۷ء

عشق میں جن کے گئے ہم کام سے
اُن کو نفرت ہے ہمارے نام سے

بس ذرا اپنی زباں کو روک لے
تھرتھراتا ہوں تری دُشنام سے

عشق کے طوفاں سے ٹکراتا ہے دِل
ہوگیا غافل ہے یہ انجام سے

درد و غم کو جو مِٹا سکتا نہیں
کیا غرض ہے مجھ کو ایسے جام سے

ہم بُتوں پر کیوں ہیں مائل آج کل
دِل پھرا جاتا ہے کیوں اسلام سے

آسؔ جب تنویرؔ بھی ہے ہم نوا
کیوں غزل لکھّوں نہ میں آرام سے

کب کہے سے مانتا ہے آسؔ یہ
کیا کہوں پھر اس دلِ ناکام سے

☆ جولائی ۱۹۶۸ء

اللہ کی رضا پر ہی تو میں بھی ہوں رضا مند
مُسلِم ہوں، رہوں کیوں نہ شریعت کا میں پابند

کُچھ فکر و تجسّس نے پریشان کیا ہے
کب تک یہ رکھوں شیشۂ دِل سنگ کی مانند

اعمال اگر اچھے ہی دُنیا میں کِیے ہوں
ہر حال میں انسان کا دِل رہتا ہے خورسند

بے قابو اگر ہو تو ہے تلوار کی صورت
شیریں ہی زباں اپنی رکھو مثلِ شکرقند

مایوس نہ ہو آسؔ زمانے پر نظر رکھ
آزاد ہوا پھر وہ بخارا و سمرقند

☆ ۱۹۹۶ء

محشر کے خوف سے میں گھبرا رہا ہوں یا رب
تُجھ سے چُھپا نہیں ہے مرِی زیست کا فسانہ

قسمت کو رو رہا ہوں کیا عمر بھر کیا ہے
نہ اُدھر کا رہ گیا ہوں نہ اِدھر ہے کُچھ ٹھکانا

اب گُلشنِ جہاں کی ویرانیاں نہ پوچھو
کہیں غم سے جل نہ جائے مرِے دِل کا آشیانہ

بغض وعناد کے سب پیمانے توڑ کر اب
لب پر ہو میرے جامِ کوثر ہی کا ترانہ

بگڑی ہیں راہ و رسمیں بھٹکی ہوئی ہے دُنیا
باطل کی قوتوں پر نازاں ہے یہ زمانہ

اسلام لے کے آیا پیغامِ امن و اُلفت
پیغامِ زندگی ہے طرزِ مجاہدانہ

تجھ کو بتوں پر مرتے اے آس دیکھتے تھے
اب اُس کے در پر کب سے سیکھا یہ سر جُھکانا

☆ ۱۹۶۹ء

غمِ اُلفت سے ساز باز کریں
اپنی ہستی کو بے نیاز کریں

رُت جواں اور تُو بھی اے ساقی
مَے سے ہم کیسے احتراز کریں

چند روزہ بہار کی رونق
حُسن پہ وہ نہ اِتنا ناز کریں

ہمنوا ہی نے پھر لیں نظریں
اب کِسے آشنائے راز کریں

کاش وہ سنگ دِل محبّت سے
دِل کو اپنے ذرا گُداز کریں

اُن کی نیّت کا کیا بھروسہ آسؔ
جو رقیبوں سے ساز باز کریں

☆ مئی ۱۹۸۱ء

محبّت کا انجام ہم دیکھتے ہیں
جگر سوختہ چشم نَم دیکھتے ہیں

خُدا کی اطاعت میں دِن جو گزاریں
نہیں کوئی رنج و الم دیکھتے ہیں

مُفادات کے واسطے لوگ اکثر
یہاں دین و ایماں بھی کم دیکھتے ہیں

وطن کے لیے جو کریں جان قرباں
سعادت کا اُونچا عَلم دیکھتے ہیں

خُدایا یہ کیا ہے کہ اہلِ محبّت
جہاں میں فقط غم ہی غم دیکھتے ہیں

شرافت، محبّت، صداقت کے بدلے
عداوت کے، نفرت کے بَم دیکھتے ہیں

نہیں دیکھتا حُسنِ سیرت کو کوئی
یہاں لوگ جاہ و حشم دیکھتے ہیں

کبھی میکدوں میں کبھی مسجدوں میں
تُجھے واعظِ محترم! دیکھتے ہیں

نہیں آسؔ شاعر مگر اس بہانے
تماشائے اہلِ قلم دیکھتے ہیں

☆ فروری ۱۹۹۹ء

کس کا دامن اب نہیں ہے داغدار
کس کو ہم سمجھیں یہاں پرہیزگار

چین دِل کا ہیں مُسلسل لُوٹتے
ہم نے دیکھے ہر طرف مطلب کے یار

غم سے چھلنی ہو گئے قلب وجگر
آنسوؤں پر بھی نہیں ہے اختیار

ہیں پریشاں دورِ حاضر کے جواں
جب کہ سب بے کار ہیں یہ دل فگار

رشتے ناطے بھول جاتے ہیں سبھی
کیا کہیں کیسا نشہ ہے اقتدار

ہوگیا حرص و ہوس کا دِل غلام
لُٹ گیا انسان کا صبر و قرار

دِیدنی ہے آسؔ کی دریا دِلی
رنج و غم سہتا رہا ہے بے شمار

☆ جولائی ۲۰۰۲ء

ستایا مجھ کو ناداں دوستوں نے
مجھے عاقل بنایا دُشمنوں نے

یہ بہتر ہے کریں سب سے محبّت
دیا ہے آج تک کیا نفرتوں نے

کروں کس پر بھروسہ میرے مولیٰ
کیا مجھ سے نہ کیا کیا دوستوں نے

چمن کے پھول ہیں یہ سارے انساں
لگائی آگ اب کیوں اِن گلُوں نے

مِٹانے پہ بضد اُن کو کیا ہے
مِری کمزوریوں، مجبوریوں نے

یہ مرغ دِلِ بھی تشنہ خوں ہوا ہے
کیا کیا آس ہم سے وحشتوں نے

☆ اکتوبر ۲۰۰۲ء

خامشی سے کام لے
معرفت کا جام لے

بارگاہِ ناز سے
صبح لے اور شام لے

بخش دیتا ہے اُسے
جو بھی اُس کا نام لے

صبر کا میٹھا ہے پھل
صبر سے تو کام لے

ظاہراً اور باطناً
بس اُسی کا نام لے

آسؔ پر تو رحم کر
ڈوبتے کو تھام لے

☆ اگست ۲۰۰۲ء

''نظر سے لڑے گی نظر دیکھ لینا''
دلِ مُضطرب کا اثر دیکھ لینا

اگر راہ بر بے بَصر بے خبر ہیں
خُدا سب کا ہے چارہ گر دیکھ لینا

کبھی تم جو آؤ تو ہم راستے میں
بچھائیں گے قلب و جگر دیکھ لینا

ہماری گلی سے اگر آپ گُزرے
اِدھر بھی ذرا اِک نظر دیکھ لینا

اگر علم حاصل کرو گے تو اِک دن
مُسخّر یہ شمس و قمر دیکھ لینا

ہماری شب و روز کی لغزشوں سے
نہیں ہے خُدا بے خبر دیکھ لینا

جنھیں وقت کی قدرو قیمت نہیں ہے
وہ ہو جائیں گے دربدر دیکھ لینا

کلی یہ مِرے دِل کی کھلتی ہے کیسے
اگر وہ ہوئے جلوہ گر دیکھ لینا

فقط آس تو ہی نہیں غم کا مارا
مِلیں گے کئی ہم سفر دیکھ لینا

☆ مارچ ۲۰۰۲ء

تو ہی کم زبان بن
صاحبِ قُرآن بن

تو اگر انسان ہے
انسان رہ اِنسان بن

چھوڑ دے یہ کج روی
دین کی تو شان بن

صبر و سکوں سے کام لے
صاحبِ ایمان بن

ہو کے اِک اللہ کا
حق کا ترجمان بن

عِلم سے ہو سرفراز
قوم کی تُو جان بن

دین پر قربان ہو
عشق کا عنوان بن

بُغض وحسد چھوڑ آس
صِدق کی پہچان بن

☆اگست ۱۹۹۵ء

کوئی لہو لہان سرِ رہ گزار ہے
یہ کس نے سرِ شام کیا کس پہ وار ہے

آہٹ سی کیسی دِل کے دریچے میں یار ہے
کس کے لیے یہ آج ہوا بے قرار ہے

جھکتی رہی ہے پھولوں بھری شاخ دوستو
پھل کے بغیر پیڑ بھی تو خار خار ہے

جھونکا ہوا کا آیا اور آکر اُڑا گیا
یہ زندگی بھی دیکھیے مثلِ غبار ہے

ہم کیا سُنائیں اب کسی کو داستانِ غم
ہر اشک حالِ زار کا آئینہ دار ہے

کِس طرح بھول جاؤں وہ حُسنِ سلوک بھی
تنویرؔ نے جو مجھ سے کیا بار بار ہے

اے آسؔ میرے ہاتھ میں خنجر قلم کا ہے
ہو جن کے پاس تیر و تفنگ بے شمار ہے

☆ جولائی ۲۰۰۳ء

اُن کے بغیر اب یہ گھر میرا ویراں ویراں لگتا ہے
چاند ستاروں کا منظر بھی حیراں حیراں لگتا ہے

اپنی ہستی کا یہ سفر ہر حال میں طے ہونا ہے مگر
دِل کے نگر میں ڈر یہ کیسا پنہاں پنہاں لگتا ہے

فُرصتِ خواب نہیں ہے یارو نیند اُڑی ہے آنکھوں سے
بات ہوئی ہے ایسی کیا ہر شخص پریشاں لگتا ہے

کل تک افضل اور اشرف تھا مخلوقاتِ عالم میں
آج ہوا کیا! کیوں یہ انساں، حیواں حیواں لگتا ہے

بُجھ گئی شمعیں چھایا اندھیرا، اُجڑے گُلشن کِھلتے ہی
ہر سو آج زمانے میں نفرت کا طوفاں لگتا ہے

زہد و ورع کی بات نہ پوچھو موجِ ہوا بھی شرمائے
آس اِس دور میں عابد، زاہد عریاں عریاں لگتا ہے

☆

بھدرواہ میں برف باری

بھدروا ! اے میرے خوابوں کی زمیں
تیرا ہر موسم ہے دِلکش اور حَسیں
پر مجھے لکھنے پہ مائل کرگئی
برف باری کی ادائے دِل نشیں

برف باری کا نظارا دیکھ لو
کِس قدر منظر ہے پیارا دیکھ لو
اس سے قائم ہیں ندی نالے تمام
ایک دہقاں کا سہارا دیکھ لو

سب کے دِل میں اِک خوشی لائی ہے برف
اِک نیا ہی رنگ لے آئی ہے برف
رقص کرتی جھومتی آئی ہے برف
چھارہی ہے ہر طرف چھائی ہے برف

برف باری ہو رہی ہے شام سے
کُچھ تماشا دیکھتے ہیں بام سے
کوٹھیوں میں کچھ تو ہیں آرام سے
رات دِن کُچھ کھیلتے ہیں جام سے

کوئی بچّہ برف کا اِنساں بنائے
کوئی جنگل کا شہِ ذی شان بنائے
کُچھ نہ کُچھ تو آج ہونا چاہے
یار سے کہہ دو ہمیں مہمان بنائے

برف بھی ہے چاندنی ہے رات بھی
کوئے جاناں کی چلے پھر بات بھی
لطف آئے زندگی میں کُچھ مری
کیا خبر پھر آئیں یہ لمحات بھی

پی رہے ہیں غم کے آنسو آس آج
کُچھ خوشی کا بھی نہیں احساس آج
کِس طرح بہلائیں نظاروں سے دِل
اُن کے جاناں ہی نہیں ہیں پاس آج

بھدرواہ

آندھی چلی ہے ظلم وغم بے حساب کی
آؤ کہ مِل کے بات کریں انقلاب کی

کیا مقصدِ حیات ہے یہ بھی تو جان لو
کیا اہمیت ہے ورنہ سوال وجواب کی

ہر بار بھدرواہ کو وہ دیتے رہے فریب
جب بھی چلی ہوا ہے یہاں انتخاب کی

کِس نے کِیا عروسِ وطن کا خیال بھی
باتیں سبھی تو کرتے ہیں حُسن وشباب کی

انسانیت کا درس جو دیتی رہے یہاں
سب مِل کے شروعات کریں اُس کتاب کی

پھر امن واتحاد سے مضبوط ہاتھ ہوں
مانیں نہ بات ہم کسی خانہ خراب کی

اس بھدرواہ کے واسطے قرباں ہے جان بھی
لگتی ہے آسؔ زندگی جس کی عذاب کی

☆ جولائی ۲۰۰۰ء
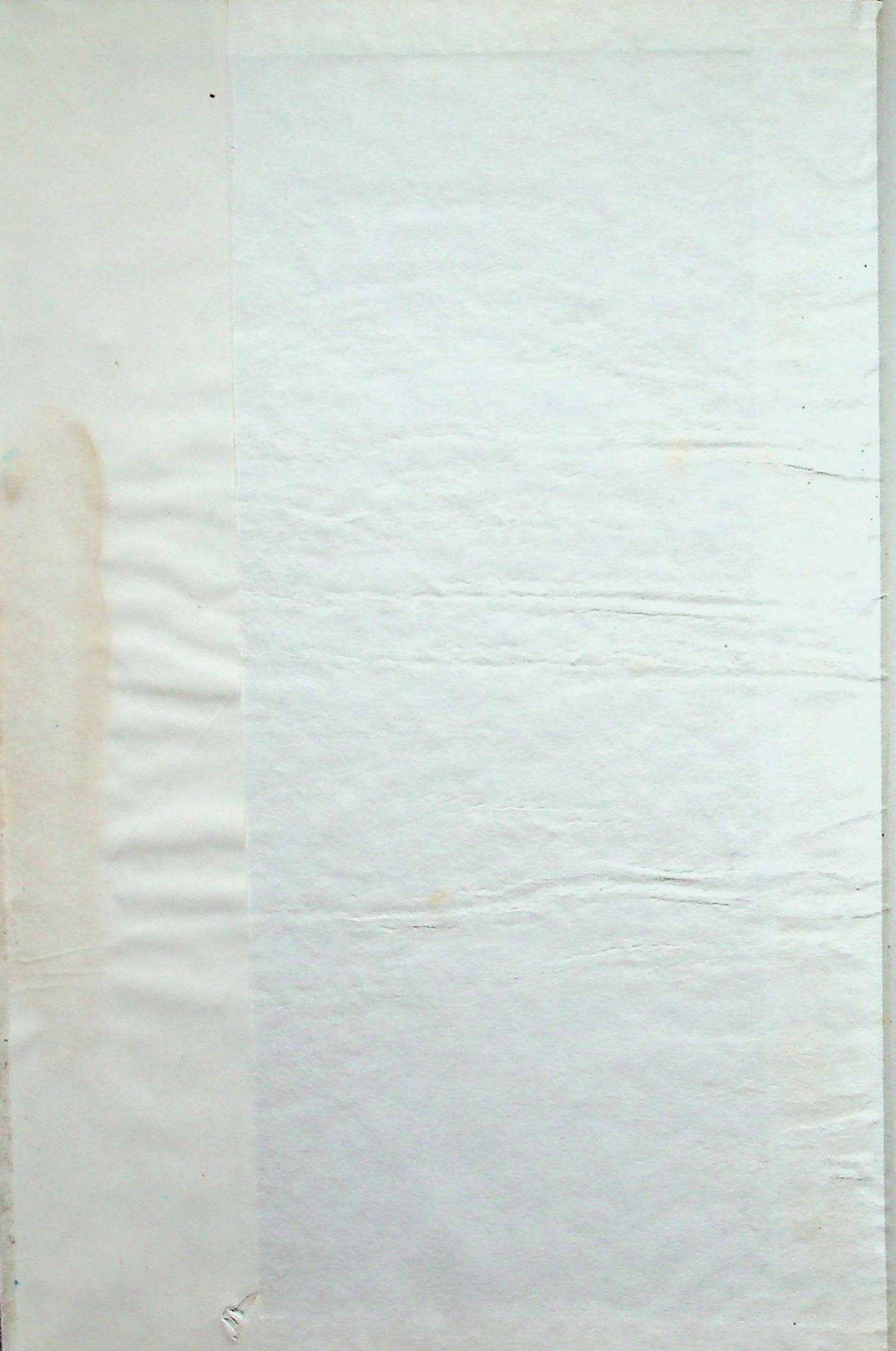
صوفی عبدالقیوم بٹ آسؔ

اقبالؔ بزمِ ادب بھدروہ

Printed at : J.K. Offset Printers, Delhi-6